مقدمات 'بوطیقا'(اردو)کا تنقیدی مطالعہ

Critical Study of Prefaces (Urdu) of Poetics

ڈاکٹر سمیرا اعجاز

ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبۂ اردوزبان و ادب، یونیورسٹی

آف سرگودھا

Abstract:

'Poetics' holds the ultimate remarkable status in the global context of literary criticism. Even after two thousand years, the debates on determining the standards of poetry are a tribute to this book. It has been translated into every major language of the world. In Urdu, the series of its translations have been started in 1941. The special thing about these translations is their prefaces. Among these preface writers, the names of Aziz Ahmad, Jameel Jalibi, Muhammad Yasin and Shams ur Rahman Farooqi are included. In addition to highlighting its importance, its post-effects have also been highlighted in comparison with the literature of other languages of the world. In this article, the major critical trends of 'Poetics' and characteristics of these prefaces are being reviewed.

کلیدی الفاظ : بو طیقا (Poetics)، **فن شاعری**(Funn e Shairi)،**کتاب الشعر**(Kitabu Sher)**شعریات**(Sheriyat)،**عزیز احمد**(Aziz Ahamd)،**جمیل جالبی**(Jamil Jalbi)،**محمد یسین**(Muhammad Yaseen)،**شمس الرحمن فاروقی**(Shams ur Rehman Farooqi)،**مقدمات** (Muqadmat)

ارسطو کی کتاب 'بوطیقا'عالمی ادب میں ادبی تنقید کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔اس کتاب نے 'شہرت عام اور بقائے دوام'کا درجہ حاصل کیا۔اس پر مباحث،تاویلات،شروحات اور تفاسیر لکھنے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔اس کتاب میں نقل،فطرت،فن شاعری،شاعری کی اقسام اور المیہ کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔شاعری کا ایک آفاقی تصور واضع ہوتا ہے۔ان مباحث کے اثرات دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو ادب پر بھی مرتب ہوئے۔اردو میں اس کے تراجم کا سلسلہ ۱۹۴۱ء سے شروع ہوتا ہے۔اس کا پہلا ترجمہ عزیز احمد نے کیا۔اردو کے تراجم کی خاص بات،ان کے مقدمات ہیں۔اردو میں بوطیقا کے جو مقدمات سامنے آتے ہیں،ان میں عزیز احمد، جمیل جالبی، محمد یٰسین اور شمس الرحمن فاروقی کے اسماء شامل ہیں۔سر دست ان مقدمات کی خصوصیات اور اہمیت کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

عزیز احمد نے 'بوطیقا' کا ترجمہ 'فن شاعری' کے عنوان سے کیا اور یہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کے ۳۳ صفحات مقدمے پر مبنی ہیں اور مقدمے کو ۶ (چھ) حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس مقدمے کے پہلے حصے میں اس کتاب کی تاریخی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس کتاب کو صحیفہ آسمانی کی حیثیت اس طرح حاصل ہو گئی ہے کہ اس کی بھی شرحیں اور تاویلیں جاری ہیں۔ آج بھی مشکل الفاظ اور مبہم جملوں کی تاویلوں کا سلسلہ جاری و ساری ہے جب کہ یہ کتاب سیدھی سادی ہے۔ اس کے باوجود اس کی غلط تعبیر اور غلط نتائج اخذ کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ مشرق و مغرب میں اسے نمونہ ہدایت سمجھ لیا گیا اور غلطیاں بھی کی گئیں۔ ارسطو کی تقلید میں ارسطو کو ہی دہرایا جاتا رہا لیکن وہ معلم اول ہی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب اور فن تنقید میں اس کتاب کا مقابلہ نہ کیا جا سکا۔

اس مقدمے کے دوسرے حصے میں فنون لطیفہ، شاعری اور تنقید کے تقدم و تاخر پر بحث کی گئی ہے۔ فنون لطیفہ زندگی کی تنقید ہیں اور اسی لیے تنقید کا وجود فنون لطیفہ اور شاعری کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ یونانی شاعری ڈراما کے روپ میں بھی غیر مربوط تنقیدی اجزا کی حامل تھی۔ ہومر کی "ایلیڈ" کے اٹھارویں حصہ میں فیس ٹس کی ڈھال کے نقش کی تعریف میں صناع کے فن کی خوبیاں اور شبیہ اتارنے کی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ ہومر کی "اوڈیسی" کے حصہ ہشتم میں موسیقی کو مقدس اور نعمت خدا کہا گیا اور اس کا مقصد انسانوں کی خوشی اور شاعری کا فرض، سچ کا بیان قرار دیا گیا ہے۔ عزیز احمد نے دلیل کے طور پہ مذکورہ دونوں رزمیوں میں سے مذکورہ حوالے بھی اقتباسات کے طور پر پیش کیے ہیں۔ یونانی شاعری میں تنقید کے مزید نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ مثال کے طور پہ ارسٹوفینز نے اپنے ڈرامے میڈک میں اسکائی لینز اور یوری پیڈیز کا فرضی مکالمہ ہے جس میں یوری پیڈیز کی تصانیف کے اسالیب کے بارے تنقیدی نقطہ نظر واضح کرنے کے ساتھ ساتھ شاعری کی زبان کو روزمرہ سے مختلف ہونے پر زور دے کر تنقیدی فکر بھی نمایاں کی ہے۔ عزیز احمد نے اس مکالمے کو اقتباس کی صورت پیش کیا ہے۔

مقدمے کے تیسرے حصے میں افلاطون کے شاعری بارے متضاد خیالات اور تنقیدی افکار کا احاطہ کیا ہے۔ افلاطون جو شاعروں کو ریاست سے خارج کرنے کی بات کرتا ہے مگر اپنے "مکالمات" میں خود شاعرانہ اسلوب اختیار کرتا ہے۔ افلاطون کے چار مکالمات کی مثالوں سے تنقیدی تصورات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک مکالمہ محبت کی ماہیت پہ ہے جس میں ارسٹوفینز اور اگاتھان بھی حصہ لیتا ہے۔ اس میں اگاتھان کے نزدیک عشق کا دیوتا خود شاعر بھی ہوتا ہے۔ افلاطون سقراط کی زبانی فرضی عاقلہ ڈیوٹی ما کا قول پیش کرتا ہے کہ عدم سے ہستی بننا شاعری ہے اور تمام فنون کے صناع شاعر ہیں۔ اس جملے کو عزیز احمد شاعرانہ تنقید کا اشارہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے مکالمے میں افلاطون "ریاست" میں موجود تصور کے برعکس اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ شاعر، قانون دان یا مقرر، اگر اپنی تصانیف کی بنیاد حق پر رکھیں تو وہ فلسفی

ہیں۔ تیسرا مکالمہ، جس سے عزیز احمد نے مثال دی ہے، علم زبان سے متعلق ہے۔ انسان آوازوں کے ذریعے خیالات کی نقل کر سکتا ہے۔ ارسطو الفاظ کی مختلف اقسام اور شاعری میں اس کے استعمال پہ تفصیل سے لکھتے ہیں۔ عزیز احمد اس بات کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ یورپ اور یونان ابھی زبان اور قواعد کے فنون سیکھ رہے تھے جب کہ ہندوستان میں یہ فن ترقی پا چکا تھا۔ افلاطون کے چوتھے مکالمے میں سقراط کی زبانی یہ واضح کیا جاتا ہے کہ شاعری کو جاننے اور پرکھنے کے لیے ناقص شاعری کا مطالعہ ضروری ہے۔ پہلے شاعر کو الہام ہوتا ہے پھر وہ اس کے ذریعے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ دلکش شاعری انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ خدا اور دیوتاؤں کے ارشادات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عزیز احمد نے افلاطون کے مکالمات میں شاعری کے لیے قبولیت کے اجزا کو واضح کیا ہے اور افلاطون کے نزدیک اعلیٰ ترین قسم کے شاعر کا تصور پیش کیا ہے۔ بعد کے ناقدین میں سے سڈنی کی مثال پیش کی ہے جس نے افلاطون کے بارے یہ کہا کہ وہ ان شعرا کی مذمت کرتا ہے جو جھوٹ پر مبنی شعر کہتے ہیں۔ عزیز احمد نے افلاطون اور ارسطو میں شاعری کے خیالات کے فرق کو واضح کیا ہے۔ افلاطون کے مکالمات میں شاعری کے بارے خیالات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں جب کہ ارسطو کے ہاں شاعری کا بیان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ارسطو کے تنقیدی تصورات پر ان کے استاد کے اثرات محدود ہیں۔ افلاطون شاعروں کی مذمت کرتے ہیں اور ارسطو شاعروں کی تعریف کرتے ہیں۔ البتہ ارسطو نے 'نقل' کا تصور افلاطون کے فلسفیانہ افکار سے لیا ہے۔

مقدمے کے چوتھے حصے میں مذکورہ کتاب کے مقصد اور اہمیت کے بعد اس کے تمام مباحث کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ اس مقدمے کا تفصیلی حصہ ہے۔ افلاطون شاعری کو مذہب اور سیاست کا پابند کہتا ہے تو ارسطو اسے ہر اخلاقیات سے آزاد اور ذہن انسانی کا خود مختار عمل قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری زندگی کی نقل مگر کسی بحر کی پابند نہیں۔ ممتاز شاعری ڈرامائی شاعری ہے جو کامیڈی اور ٹریجیڈی کی حامل ہے۔ کامیڈی میں نقل بدتر اور ٹریجیڈی میں بہتر اظہار پاتی ہے۔ عزیز احمد نے ارسطو کے نزدیک شاعری کے اسباب کا بھی کھوج لگاتے ہیں۔ اول نقل انسانی جبلت ہے جس سے خوشی اور تعلیم دونوں کام لیے جاتے ہیں۔ دوم رونے اور ہنسنے کے ساتھ انسان گانا بھی چاہتا ہے جس کے لیے موسیقیت اور موزونیت کا اظہار شاعری کرتی ہے۔ ارسطو کے رزمیہ اور ٹریجیڈی شاعری کے فرق کو بھی نمایاں کیا ہے۔ دونوں اعلیٰ کرداروں کی نمائندہ ہیں۔ البتہ رزمیہ طویل اور بیانیہ اسلوب کی حامل اور ٹریجیڈی مختصر ہوتی ہے۔ اس کے بعد عزیز احمد ارسطو کے وحدت زماں کے تصور کی مختلف شارحین کی شرحوں کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ارسطو کے اس تصور 'ٹریجیڈی، آفتاب کی صرف ایک گردش تک محدود رہے' کو چوبیس گھنٹے یا بارہ گھنٹوں تک محدود کرنے کے حوالے سے سولھویں سے اٹھارویں صدی تک مبہم اور غلط تشریحات کی گئیں۔ ان کے نزدیک ارسطو کو

اندازہ ہوتا تو وہ ایسا جملہ نہ لکھتے،ارسطو کے مطابق تو موجود روایت اس وحدت کا نتیجہ ہے وہ ایسا کرنے کی تجویز نہیں دے رہے۔عزیز احمد کے نزدیک اس کا ٹھیک مطلب سمجھنا مشکل ہے۔اس سلسلے میں کارنے لئی اور داسیے ایسے شارحین کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ٹریجیڈی کی تعریف کے ضمن میں "صحت و اصلاح"(کیتھارسس)کی اصطلاح کی وضاحت کی ہے کہ اس کی تین صدیوں سے مختلف تاویلیں کی جارہی ہیں۔کارنے،راسین اور لیسنگ اس سے اخلاقی اصلاح مراد لیتے ہیں۔جرمن شارح جیکب برنیز کے خیال کو درست سمجھتے ہیں کہ یہ ایک طب کی اصطلاح ہے جو یونان میں رائج تھی۔وہ ارسطو کی ایک اور کتاب "سیاست" میں بھی اس اصطلاح کے استعمال کا سراغ لگاتے ہیں اور اقتباس بھی پیش کرتے ہیں۔المیہ کے چھ عناصر کی وضاحت کی ہے۔تینوں وحدتوں کی بات کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ارسطو وحدت عمل پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں۔عزیز احمد اسے یونانی ڈراما اور اسٹیج کی ضرورت قرار دیتے ہیں البتہ اسے نشاۃ الثانیہ اور اٹھارویں صدی میں اس اصول کی پابندی غلطی ہے۔وحدت مکاں،کو کلاسیکی تنقید نگاروں کی ایجاد قرار دیتے ہیں،جسے ارسطو سے منسوب کیا گیا جب کہ ارسطو اس کا کہیں اشارہ بھی نہیں کیا البتہ وہ وحدت مکاں کو وحدت زماں اور وحدت عمل کا ہی منطقی نتیجہ سمجھتے ہیں۔اس کے بعد ارسطو کی اہم بحث 'شاعر اور مورخ' کا موازنہ ہے۔وہ کلاسیکیت کی بنیاد ارسطو کے اس خیال کو قرار دیتے ہیں تاریخ خاص حقیقت اور شاعری عام حقیقت کو پیش کرتی ہے۔وہ عام حقیقت سے مراد یہ لیتے ہیں کہ ہر بات کو عام بنا کر بیان کرنا۔وہ مشرق میں عام روش اختیار کیے جانے کو بھی ارسطو کی غلط تشریح کہتے ہیں۔تمام مشرقی اسلامی شعرا کے ہاں انفرادی اور خاص جذبات کی بجائے عام روایات کے موضوعات ملتے ہیں۔وہ ارسطو کے ہیرو کے لیے قائم کردہ اصولوں کو سراہتے ہیں اور ان اصولوں کی نہ صرف وضاحت کرتے ہیں بلکہ اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ یہ اصول صرف یانانی ڈرامے تک محدود نہیں بلکہ رومانی ڈراموں اور شیکسپیئر کے تمام بڑے ہیرو ہیملٹ،میکبتھ،لئیر اور آتھیلو پر بھی پورا اترتے ہیں۔ان کے نزدیک ارسطو نے دردمندی اور دہشت ایسے جذبات پیدا کرنے والے جن موضوعات کو بیان کیا ہے ان کا زیادہ تر تعلق صرف یونانی ڈرامے سے ہی ہے۔مثال کے طور پر بھائی کا بھائی کو زہر دے دینا یا عزیز دشمنیاں وغیرہ۔عمدہ سیرت کشی کے لیے اصول،روئداد(پلاٹ)سے متعلق شاعر کے لیے ہدایات،ٹریجیڈی کے اجزا اور اقسام کو مختصراً بیان کیا ہے۔ارسطو کے زبان بارے خیالات کو نظریہ تنقید کی رو سے بے کار سمجھتے ہیں لیکن اس کا سبب بھی پیش کرتے ہیں کہ اس زمانے میں علم لسانیات،علم صوتیات اور علم قواعد،عالم طفلی میں تھے۔زبان کے حصوں آواز اور معنی میں الجھاؤ پیدا کیا ہے۔رزمیہ شاعری کے بارے ارسطو کے نکات سے بحث کرتے ہیں۔رزمیہ شاعری میں خلاف قیاس اور ناممکن واقعات تحیر کو جنم دیتے ہیں جو دلچسپی کا بنیادی لازمہ ہے۔مزید برآں وہ قرین قیاس امکانات کو ناممکنات پر ترجیح دیتے ہیں۔عزیز احمد اس نکتے کو شاعرانہ تنقید کا کمال گردانتے ہیں۔اس

کے بعد شاعروں سے سرزد ہونے والی دو اغلاط کی وضاحت کرتے ہیں کہ اول شاعر میں صلاحیت نہ ہو اور وہ پھر بھی شاعری کرے دوم صلاحیت تو ہو مگر جزئیات کے بیان میں غلطی کر جائے۔ شاعری کے بارے مزید اعتراضات جن کے جواب ارسطو نے دیے ہیں، کو موضوع بناتے ہیں کہ نقاد کو یہ حق حاصل نہیں کہ شاعر نقل کے لیے جو بھی طریقہ استعمال کرے، اس پر اپنا نقطہ نظر لاگو کرے۔ ناقدین شاعر کی زبان پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ناقدین کے لیے ضروری ہے کہ متضاد معنی کی تلاش کرتے ہوئے ان کے لیے استدلال ضرور قائم کریں۔ عزیز احمد کے اس مقدمے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے بوطیقا میں پیش کیے گئے مباحث کو ترتیب اور ربط و تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگرچہ ٹریجیڈی اور رزمیہ شاعری کا تذکرہ پہلے ہو چکا مگر جب بوطیقا میں مکرر اس پہ بحث ہوتی ہے تو وہ بھی اس پر پھر سے بحث کرتے ہیں۔ ارسطو ٹریجیڈی کو رزمیہ شاعری سے اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ رزمیہ شاعری میں ٹریجیڈی کے تمام عناصر موجود ہیں مگر رزمیہ شاعری میں ٹریجیڈی کے تمام اجزا شامل نہیں ہیں۔ مثال کے طور پہ رزمیہ شاعری میں وحدت قائم رکھنا مشکل ہے۔

مقدمے کا پانچواں حصہ ارسطو کی بوطیقا کے مابعد تنقید پر اثرات کو نمایاں کرتا ہے۔ روم میں تنقید پر لکھے گئے تمام رسائل اس کے اثرات سے ماورا نہیں۔ ہوریس کی "فن شاعری" نے ارسطو کی بوطیقا کو یعرپ میں متعارف کروایا، ساتھ ہی ہوریس کے تصورات ارسطو کے خیالات کے ساتھ گڈ مڈ کر دیے گئے۔ ہوریس کا شاعری کا مقصد بھی لطف و انبساط اور اصلاح ہے، اس کے علاوہ وہ پلاٹ میں وحدت اور تسلسل کے تصور میں بھی ارسطو کو اپناتے ہیں۔ عزیز احمد نے ہوریس کے مختلف تصورات کو بھی ارسطو کے خیالات کا منطقی نتیجہ ہی قرار دیا ہے۔ وہ ہوریس کے تصورات بھی مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔ 'صحت رائے' تحریر کی نمایاں خوبی ہے۔ فن کی پستی شاعر کے لیے ممنوع ہے۔ مطالعہ کے لیے صناعی، خدا اور ذہانت کا ہونا ضروری ہے۔ ان خیالات نے نشاۃ الثانیہ کے بعد کی کلاسیکی تحریک کو بھی متاثر کیا۔

مقدمے کے چھٹے حصے میں عرب دنیا کی بوطیقا سے آشنائی کی تاریخ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عباسی دور میں اس کا پہلا ترجمہ سامنے آیا۔ اس سلسلے میں معروف مورخ ہٹی کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ایک عیسائی حنین بن اسحاق نے اس کا ترجمہ کیا اور عرب دنیا کو مسلک انسانیت اور علوم ادب سے متعارف کروایا۔ جہاں مزید ایک نکتے کی وضاحت کرتے ہیں کہ عربی میں یونانی سے طب، فلسفہ اور منطق کے تراجم کیے گئے لیکن یونانی ڈراما کو اہمیت نہیں دی گئی۔ ادب کے لیے فارسی سے تراجم کو ہی اہمیت دی جاتی رہی۔ عربی میں ڈرامے کا وجود بھی نہیں تھا۔ اس حوالے سے ٹی ایس ایلیٹ کا ایک قول بھی درج کیا گیا ہے کہ تھیٹر کی عطا ہر قوم کو نہیں ہوئی چاہے وہ قوم کتنی ہی متمدن کیوں نہ ہو۔ یہ عطیہ ہندو، جاپانی، یونانی، انگریز، فرانسیسی، اور ہسپانوی اقوام کو ملا اور اہل روما، اطالوی، سیکنڈے نیوین وغیرہ اس کی فیاضی میں

کم نصیب رہے نیز عرب بالکل محروم رہے۔ عزیز احمد عربوں کے ہاں بوطیقا کی کم فہمی کا سبب بھی اس فن سے ناواقفیت کو سمجھتے ہیں۔ جہاں عزیز احمد مشرق کی شاعری کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے (۱) لکھتے ہیں:

"شاعری کو 'عام روایات' کا پابند بنا کے عہد بنی عباس کی عربی شاعری اپنے ساتھ فارسی شاعری اور اپنے بعد کی ترکی اور اردو شاعری کو بھی لے ڈوبی۔ ہارون الرشید کے عہد کے بعد سے مشرق قریبہ کی شاعری 'عام روایات' کی اس قدر پابند ہے کہ شاعر کا جذبہ یا اس کا عشق یا اس کی نظر یا اس کا حساس کوئی انفرادی خصوصیت نہیں رکھتا۔ اگر انفرادی خصوصیت کا پتہ چلتا ہے تو محض اس کے طرز بیان اور اس کے کلام کی خصوصیتوں سے۔"

عزیز احمد اس حصے میں عربی ترجمے کی قدامت، ماخذ اور اہمیت سے بھی بحث کرتے ہیں۔ عربی ترجمے کا نسخہ دسویں صدی عیسوی کے وسط کا تحریر کردہ ہے اور پیرس میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمہ براہ راست یونانی کی بجائے سریانی زبان سے کیا گیا ہے۔ اصل سریانی ترجمہ کا نسخہ معدوم ہو چکا اور اس کے مترجم بارے معلومات بھی مفقود ہیں۔ البتہ وہ سریانی ترجمہ، موجودہ یونانی نسخوں سے زیادہ قدیم ہو گا۔ دستیاب قدیم یونانی نسخہ گیارھویں صدی کا ہے جو پیرس میں محفوظ ہے نیز یہی وہ نسخہ ہے جس سے یورپ کی جدید زبانوں میں تراجم ہوئے۔ اس عربی ترجمے کی خصوصیت بھی بیان کرتے ہیں کہ اس سے نہ صرف مشکل اور متنازعہ فیہ الفاظ کی تحقیق بلکہ یونانی نسخوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔

مقدمے کے ساتویں حصے میں بوطیقا کے یورپی زبانوں میں تراجم اور ان کی اہمیت کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ پہلا ترجمہ پندرھویں صدی کے اختتام (۱۴۹۸ء) پر لاطینی زبان میں 'والا' نے کیا۔ سولھویں صدی کے آغاز میں اصل متن کے ساتھ ابن رشد کے عربی خلاصے کا بھی لاطینی ترجمہ کیا گیا۔ اس کے ذریعے یورپ ارسطو کی عربی تنقید اور عربی روایات سے واقف ہوا۔ 'کاسٹل وی ٹرو' کے اطالوی ترجمے نے ارسطو سے بہت سی روایات منسوب کر دیں جس کے بعد بہت سی تشریحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ خاص طور پہ وحدت مکاں کا تصور (اس کا ارسطو نے کہیں ذکر بھی نہیں کیا تھا) زیر بحث آنا شروع ہوا۔ انھی مباحث کو بعد ازاں 'سر فلپ سڈنی' نے پہلی جامع تنقیدی کتاب میں بھی خاص جگہ دی۔ اطالوی نقاد 'ودا' نے 'شائستگی' کا تصور ارسطو اور ہوریس سے اخذ کیا، جس نے ملکہ الزبتھ کے دور کے ڈرامے اور تنقید پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ فرانسیسی زبان میں پہلا ترجمہ ۱۶۹۲ء میں 'داسیے' نے کیا۔ انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ 'ٹوانگ' نے ۱۷۸۹ء میں کیا۔ عزیز احمد کے نزدیک انگریزی ادیبوں نے ارسطو کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا بلکہ 'اسکائی گر' اور 'تورنو' کے خیالات سے ہی استفادہ کرتے رہے۔ نو کلاسیکیت کی تحریک فرانس میں پروان چڑھی۔ عزیز احمد کے خیال میں فرانسیسی ذہنیت سخت اصول و قواعد کی پابند رہی ہے اس لیے اس تحریک کو جہاں فروغ ملا۔ اس تحریک نے ارسطو کی پرستش کی حد تک پیروی کی۔ جرمنی میں اس تحریک کا علمبردار 'لیسنگ' تھا۔ لیسنگ نے ارسطو سے منسوب

غلط روایات اور اس کے بارے غلط تشریحات کی تردید کی۔ ارسطو کا اثر رومانی تحریک کے آغاز کے ساتھ کمزور پڑنا شروع ہوا۔ 'ابسن' کے ڈراموں نے ارسطو کے تصورات کو رد کر دیا۔ بعد ازاں حقیقت نگاری اور رمزیت ایسی نئی تحریکوں کے مباحث عام ہو گئے۔ اگرچہ اس کی دلچسپی صرف جامعات کے پروفیسروں اور طالب علموں تک محدود ہو کر رہ گئی لیکن اس کی آفاقی خصوصیات کے بارے عزیز احمد(۲) یوں لکھتے ہیں:

"ارسطو کے اصول نے-وہ غلط ہوں یا صحیح-ان کے معنی غلط لیے گئے ہوں یا صحیح-دنیا کے ادب کی تخلیق و تعمیر، شاعری کی ارتقا اور رجحانات، ادبی تحریکات کے آغاز اور ان کے رد عمل اور سب سے بڑھ کر فن تنقید پر جو اثر ڈالا ہے اس کی برابری کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ جہاں تک خالص فن تنقید کا تعلق ہے معلم اول کا یہ شاہکار دنیا بھر میں بے مثل ہے۔ ارسطو کا منطقی استدلال، اس کا تجزیہ اور ترتیب و ترکیب کی عاقلانہ صلاحیت اس کتاب کو تنقید کی اور تمام کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔"

مقدمے کا آٹھواں حصہ اس کتاب کے مذکورہ ترجمے کے ماخذات اور ان سے استفادے کی ترجیحات کے بارے میں ہے۔ انھوں نے مختلف انگریزی تراجم سے استفادہ کیا۔ جہاں ترجمے میں اختلاف پایا وہاں 'بچر' کے ترجمے کو ترجیح دینے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس ترجیح کے اسباب بھی بتاتے ہیں کہ بچر کا ترجمہ جدید ترین تحقیقات کا نمائندہ ہے اور اختلافات کی صورت عربی نسخے سے بھی مدد لیتے ہیں۔ کتاب کے ابواب اور مختلف اصطلاحات کے تراجم کے سلسلے میں 'ٹوائننگ' کے ترجمے کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حاشیے کی ترتیب اور طریقے کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ بوطیقا کے جن تراجم سے استفادہ کیا ان میں حواشی کی مذکورہ معلومات کے لیے مدد نہیں ملی البتہ اس طریقے کے حواشی کے لیے 'جوروٹ' کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو انھوں نے مکالمات افلاطون کے انگریزی ترجمے کے دوران اختیار کیا تھا۔ روشن رومانی، عزیز احمد کے مذکورہ مقدمے کی چند خصوصیات کی طرف یوں(۳) اشارہ کرتے ہیں:

"بوطیقا کا جو ترجمہ عزیز احمد نے کیا ہے، صرف اس کی طویل اور پر معنی تمہید پڑھ کر ہی ادب کا کوئی طالب علم 'بوطیقا' کے تمام نکات سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ ایک مثل ہے، دریا کو کوزے میں بند کرنا، سو عزیز احمد نے اس کتاب میں یہی کار گراں مایہ انجام دیا ہے۔ علاوہ ازیں عزیز احمد نے اس کتاب میں ارسطو کے فلسفہ شاعری اور ڈرامہ نگاری سے بحث کرتے ہوئے سقراط، افلاطون، وغیرہ کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے۔ 'مکالمات افلاطون' اور 'ریاست' نامی کتابوں کے حوالے دے کر عزیز احمد نے بہت ہی واضح اور مدلل باتیں کی ہیں۔ جو نہ صرف علمیت میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ بہت سی غلط فہمیوں کو دور بھی کرتی ہیں۔"

زمانی ترتیب سے دیکھا جائے تو بوطیقا کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر محمد یسین نے کیا۔ڈاکٹر محمد یٰسین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بہ طور انگریزی استاد وابستہ رہے۔ ان کی کتب میں "انگریزی ادب کی مختصر تاریخ"،"کلاسیکی مغربی تنقید"،"تالستائی "اور "ناول کا فن اور نظریہ "شامل ہیں۔ڈاکٹر محمد یسین نے اپنی کتاب "کلاسیکی مغربی تنقید "میں بوطیقا کا "کتاب الشعر "کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا ہے۔ دو صفحات کا تعارفی نوٹ بھی دیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ مقدمے میں ارسطو کو فلسفہ، جمالیات اور ادبی تنقید کے حوالے سے منفرد نظریات کو پیش کرنے والا بتایا گیا ہے۔ افلاطون اس عالم کو ماورائی تصورات گردانتا ہے لیکن ارسطو تصورات کی دنیا کو ماورائی نہیں سمجھتا۔ وہ جمالیات میں افلاطون کے نظریہ نقل سے نہ صرف انحراف کرتا ہے بلکہ اسے شاعروں،ڈرامہ نگاروں اور فنکاروں کا تخلیقی کارنامہ قرار دیتا ہے۔ افلاطون "مکالمات'اور'جمہوریہ'میں شاعری کو ثانوی حیثیت دیتا ہے جب کہ ارسطو فن شاعری پر مکمل کتاب لکھ کر اسے بنیادی حیثیت دی ہے۔ محمد یٰسین کے نزدیک اگر وہ اس میں مصوری، موسیقی اور دیگر فنون کا ذکر نہ کرتے تو یہ کتاب فلسفہ جمالیات کا شاہ کار ہوتی۔

محمد یٰسین نے تعارفی نوٹ (مقدمہ) میں ارسطو کی بوطیقا میں بیان تصورات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ ساتھ ساتھ افلاطون سے تقابل بھی نمایاں ہے۔ ارسطو کے نزدیک شاعری آزاد اور خود مختار عمل جب کہ افلاطون اسے مذہب اور سیاست کا پابند سمجھتا ہے۔ شاعری تاریخ سے اس لیے بالاتر ہے کہ شاعر جزئیات کی نسبت کلیات سے دلچسپی رکھتا ہے، وہ خاص چیزوں کے خاص حالتوں میں رنگ کی بجائے ان کا عمومی رنگ دیکھتا ہے۔ شاعری کلی خصوصیات کی نقل ہوتی ہے۔ اسی طرح شاعر محض خارجی حالات کو پیش نہیں کرتا بلکہ وہ امکانی حالات و کیفیات کو بھی بیان کرتا ہے۔ اس طرح شاعری فطرت کو بہتر طریقے سے ہمارے سامنے لاتی ہے۔ محمد یٰسین اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ کارخانہء قدرت میں بہت سی چیزیں بھدی ہوتی ہیں لیکن اگر انھیں تصویر میں دیکھیں یا کسی خوش بیان کی زبانی اس کے بارے سنیں تو وہ اتنی بری نہیں لگتیں۔

محمد یٰسین کے نزدیک ارسطو فنون لطیفہ اور شاعری کی کچھ اصناف کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ مثال کے طور پر عنائیہ مرغزاریہ اور ڈرامائی شاعری میں المیہ کو اہمیت دی ہے۔ المیہ انسانی موضوعات کے علاوہ انسان اور کائنات کے قدرتی تعلقات کو بھی موضوع بناتا ہے۔ المیہ انسانی خیالات و جذبات و کو وسعت اور جامعیت بخشتا ہے۔ محمد یٰسین ،(۴) مجنوں گورکھپوری کے خیالات اخذ کرتے ہوئے المیہ کے مقاصدی کو کچھ یوں واضح کرتے ہیں:

> "بقول مجنوں گورکھپوری کے ارسطو"المیہ "کی بحث میں بھی اپنے خیر الامور اوسطہا کے نظریہ کو نہیں بھولا۔ حسن یا خیر نام ہے اعتدال یا اوسط کا چنانچہ ارسطو غیر معمولی افراد یعنی انتہائی نیک یا انتہائی رذیل

افراد کی سرگزشت کو المیہ کا صحیح موضوع نہیں سمجھتا۔المیہ میں ایک قدرتی اور اوسط انسان کی زندگی کا مرقع پیش کرنا چاہیے۔ورنہ وہ اثر پیدا نہ ہو گا جو المیہ کا مقصد ہے۔"

ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب"ارسطو سے ایلیٹ تک"۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں 'بوطیقا'کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔البتہ اس کا تعارف اور مقدمہ،دو مقامات میں الگ الگ تحریر کیا گیا ہے۔ارسطو کی بوطیقا کا پہلا تعارف کتاب کے مقدمے 'مغربی تنقید کا ارتقا'میں شامل ہے۔اس میں ارسطو کا تعارف اور بوطیقا کے مباحث کا تجزیہ کتاب کے صفحہ ۸ تا۱۶ درج ہے۔اس کے بعد بوطیقا کے ترجمہ سے پہلے صفحہ ۸۳ تا ۸۸ مزید تعارف پیش کیا گیا ہے ۔آغاز میں وہ ارسطو کی کتب کا تعارف اور اہمیت پیش کرتے ہیں۔ان کے نزدیک افلاطون نے جو مسائل اٹھائے تھے ارسطو نے ان مسائل کو مربوط نظام فکر میں تبدیل کیا اور اسی لیے وہ تنقید کا بانی ہے۔'بوطیقا'کا مغربی اور 'رطوریقا' کا مشرقی ادبی و شعری روایت سے گہرا تعلق ہے۔

جمیل جالبی،افلاطون اور ارسطو کے تصورات کی بنت میں عصری حالات اور تقاضوں کے دخل کو بھی پیش کرتے ہیں۔عہد افلاطون میں یونان اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے اہمیت کا حامل تھا۔ایسے نظام کے لیے استحکام،قانون کی حکمرانی اور عدل و انصاف اصول زندگی تھے،اس لیے ادب کو ضمنی حیثیت دی گئی۔ارسطو کے دور میں یونان مستحکم ہو چکا تھالہذا ادب پر توجہ دینا آسان رہا۔جالبی کے نزدیک اگرچہ ارسطو نے بوطیقا میں اپنے استاد افلاطون کا کہیں ذکر نہیں کیا اس کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ وہ ان کی غلطیوں کی اصلاح کر رہے ہیں۔وہ افلاطون کو فلسفی سمجھتے ہیں جو فلسفے کو عام لوگوں تک اور ارسطو سائنس دان ہے جو سائنسی نظریات کو تعلیم یافتہ طبقے تک پہنچانا چاہتا ہے۔وہ 'بوطیقا'کو ادب کی سائنسی تحلیل کی پہلی کوشش قرار دیتے ہیں۔وہ ارسطو کے ذہن کو منطقی،سائنسی مزاج اور معروضی فکر کا حامل سمجھتے ہیں۔ارسطو تمام فنون کو زندگی کی نقل کہتا ہے لیکن تمام فنون میں نقل کی صورتوں کا فرق تین وجوہ کا ہے۔ان فنون کے ذرائع،مختلف اشیاء کا بیان اور اظہار کے طریقوں کا فرق کا اختلاف ہے۔کا افلاطون عینیت اور ارسطو واقعیت پر زور دیتا ہے۔ارسطو شاعری کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے۔جمیل جالبی نے اس بات کو تفصیل سے پیش کیا ہے کہ نقل کرنا اور اس نقل سے لطف اندوز ہونا انسان کی جبلت میں ہے۔جو چیزیں دیکھنے میں تکلیف دہ ہوں،صحت مندانہ نقل سے اس سے بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔اسی جبلی رجحان کے تحت انسان نے جدت و برجستگی سے شاعری ایجاد کی۔وہ مزید کہتے ہیں کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ارسطو کو اخلاقی قدروں سے کوئی سروکار نہ تھا۔جب کہ ارسطو کے نزدیک شاعری کی رفعت کا تعلق بلند موضوع کے ساتھ ہے اور سنجیدہ شاعر شائستہ لوگوں اور کم ذہن شاعر ادنٰی لوگوں کے بارے لکھتا ہے۔جالبی کے نزدیک ان باتوں میں بھی ان پر افلاطون کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔کامیڈی کو اس لیے اہمیت نہیں دیتے کہ یہ

مضحک ہونا بدصورتی اور بدی کی ایک صورت ہے۔ وہ ٹریجیڈی کو تمام اصناف کی کاملیت سمجھتے ہیں۔ البتہ جالبی مذکورہ نقطہ اخذ کرتے ہوئے احتیاطاً یہ بھی لکھتے ہیں کہ بوطیقا ہم تک ادھوری شکل میں پہنچی ہے اور ارسطو نے ایک باب میں لکھا ہے کہ کامیڈی پہ بعد میں بات ہو گی۔

مزید براں جمیل جالبی، ٹریجیڈی کی تعریف کے منطقی ہونے کی تعریف کرتے ہیں اور ساتھ ہی انھیں اس پر افلاطون کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ افلاطون کا اعتراض تھا کہ ڈرامے جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں جب کہ ارسطو کے مطابق ٹریجیڈی خوف اور ترس کے جذبات پیدا کر کے انھیں امید و ہمت کے مقام تک لے آتے ہیں اور یہ کام 'کیتھارسس' کرتا ہے۔

افلاطون کے ایک اور اعتراض کہ شاعر کے ہاں تنظیم نہیں ہوتی کا جواب جالبی ارسطو کے 'فارم' کے تصور کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ٹریجیڈی جذبات کو ایک فارم میں لا کر ان پر قابو پاتی ہے۔ جالبی کے مطابق افلاطون نے شاعری کو 'مواد' کے حوالے سے دیکھا اور ارسطو نے اسے 'فارم' کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ شاعری اور تاریخ کے موازنے پر بھی چند جملوں میں بات واضح انداز میں بیان کر دی ہے کہ شاعری آفاقی صداقتوں اور تاریخ مخصوص صداقتوں کو پیش کرتی ہے۔ افلاطون کا اعتراض کہ شاعر جھوٹے ہوتے ہیں، کا جواب ارسطو کے خیالات کی صورت پیش کرتے ہیں کہ شاعری کو زندگی کے دیگر امور کی طرح نہیں دیکھا جا سکتا۔ شاعر تب غلط ہو گا جب وہ نقل کرنے کی صلاحیت میں ناکام ہو۔ جالبی نے ارسطو کے شاعری کے آفاقی تصور کو کلاسیکی تصور فن کی بنیاد قرار دیا ہے۔ جالبی(۵) ارسطو کی پانچ اصطلاحوں کے تنقید پر مابعد اثرات سے بھی بحث کی ہے۔

> "ارسطو نے بوطیقا میں پانچ بنیادی اصطلاحوں سے بحث کی ہے، یعنی نقل، پلاٹ، سقم، تزکیہ، اور آفاقیت۔ یہ پانچوں اصطلاحیں اس وقت سے لے کر آج تک زیر بحث ہیں۔ اگر آنے والوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے انہیں ناکافی سمجھا ہے تو وہ اسی قسم کی اصطلاحیں بنانے یا ان میں نئے معنی شامل کرنے سے آگے نہیں بڑھے۔"

جالبی نے ارسطو کی 'نقل' کی اصطلاح کے مختلف استعمالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہوریس کے ہاں نقل ،زندگی کی بجائے قدما کی نقل بن جاتی ہے۔ کولرج نے "تخیل" کی اصطلاح برتی اور اس میں بھی نقل سے شاعر کا انفرادی عنصر کا استعمال مراد لیا۔ میتھیو آرنلڈ نے شاعری کو "تنقید حیات" کہا تو تخیل کے ساتھ عقل کا عنصر بھی شامل کر دیا۔ ٹالسٹائی نے "ابلاغ" کے ذریعے پر اثر ہونے پر زور دیا۔ کروچے نے "اظہار" کی اصطلاح کے ذریعے نقل میں تخلیقی عمل کے ذریعے پڑھنے والے میں بھی فنکار والی کیفیت پیدا ہونے کی بات کی۔ ٹی ایس ایلیٹ "معروضی تلازمات" کے

استعمال سے اثر آفرینی پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ جالبی مذکورہ تمام اصطلاحات کو ارسطو کی اصطلاح "نقل" کی پشت در پشت اولاد کہتے ہیں۔ پلاٹ کی اصطلاح کو بن جونس، کلاسیکی ناقدین اور ڈرائیڈن نے کردار کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی۔ پلاٹ کے تصور نے ہی ڈرامے میں 'فارم' کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ کلاسیکی شعرا اور بعد ازاں ٹی ایس ایلیٹ نے بھی فارم کو ہی اہمیت دی۔ برناڈ شا کا غرور اور گھمنڈ کا تصور، ارسطو کے تصور سقم کی ہی دین ہے۔ کیتھارسس کی اصطلاح پر کانٹ، نطشے اور شوپنہار نے بحث کی اور اس کے ساتھ مابعد الطبیعات، اخلاق، نفسایتی اور جمالیاتی اثر اور جدید نفسیات کی ارتفاع کے مزید مباحث بھی سامنے آئے۔ "آفاقیت' کے تصور میں آرنلڈ نے شاعر کا مفکر ہونا ضروری قرار دیا۔ آر کی ٹائپل پیٹرن بھی اسی اصطلاح کا حاشیہ ثابت ہوئی۔ آخر میں جالبی کے نزدیک مغرب میں ارسطو تنقید کے خدا کی طرح قائم دائم ہے۔ سارے مباحث، اس سے اتفاق، اختلاف یا دونوں کے امتزاج کی صورت ہی سامنے آئے ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی نے بوطیقا کا اردو ترجمہ 'شعریات' کے عنوان سے کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ دو صفحات کا دیباچہ اور ۲۶ (چھبیس) صفحات کا تعارف کے عنوان سے مقدمہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ شمس الرحمن فاروقی کی کتاب "تنقیدی افکار" میں "ارسطو کا نظریہ ادب" کے عنوان سے بہ طور مضمون بھی شامل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ "شعریات" کے دیباچہ میں ترجمہ کے لیے بچر کے انگریزی ترجمہ کو بنیاد بنانے کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ۶ (چھ) مزید تراجم جن سے مدد لی گئی ہے، کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے۔ مزید براں ان تراجم کی خصوصیات بھی درج کی ہیں۔ سینٹس بری کا ترجمہ سلیس اور حواشی بارک ہیں، عزیز احمد کے ترجمے کا مقدمہ مفصل، دلچسپ اور کار آمد حواشی، ٹی ایس ڈورش کا ترجمہ جدید زبان میں اور حواشی مختصر اور کار آمد، جان وار نگٹن کا ترجمہ سلیس اور عمدہ حواشی اور ڈی ڈبلیو لیوکس کا ترجمہ مفصل شرح کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد اپنے ترجمے کے لیے اپنائے گئے اصول اور طریقہ کار واضح کیے ہیں۔ ترجمہ لفظا اور معنا اصل کے قریب رکھا ہے۔ ابواب کی تقسیم بچر کے مطابق اور عنوانات کے لیے ڈورس اور سینٹس بری کی پیروی کی ہے۔ حواشی کا ماخذ بھی بتایا ہے۔ کچھ اصطلاح خود بھی وضع کی ہیں۔ مثال کے طور پہ 'ایمیٹیشن" کے لیے "نقل" کی بجائے "نمائندگی" اور "کیتھارسس" کا ترجمہ 'تنقیہ' کیا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی نے مقدمے کے آغاز میں افلاطون اور ارسطو کا تقابل کیا ہے۔ افلاطون کی نثر سڈول اور دلنشیں اور ارسطو کی نثر مہذب اور واضح ہے۔ ارسطو تنقید اور منطق کا موجد ہے۔ مغربی فلسفے میں افلاطون کے بعد بڑا نام ہیگل کا ہے جو خود کہتا تھا کہ وہ جو کچھ افلاطون کی وجہ سے ہے۔ ارسطو کا مخالف کارل پوپر بھی تسلیم کرتا تھا کہ ارسطو کا فکری نظام وسعت کا حامل ہے۔ فلسفہ، نفسیات، منطق، علم اخلاق، طب، سیاسیات، حیوانیات، تنقید اور تاریخ کے میدان کو روشن کیا۔ ارسطو کا سال پیدائش اور زندگی کے اہم واقعات کو پیش کرتا ہے۔ ارسطو اور افلاطون کے اختلافات

پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اختلاف نمایاں کرنے کے لیے کارل پوپر کے اعتراضات اور دفاع میں ٹامسن کے خیالات کو بیان کیا ہے۔ارسطو کی سیرت کشی بھی کی ہے۔وہ لباس میں نفاست پسند،غلاموں کو آزاد کرنے کا حامی اور صلہ رحم تھا۔ارسطو کی کتاب بوطیقا'شعریات' کے موجود نسخے کے بارے وضاحت کرتے ہیں کہ یہ گیارھویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ میں دریافت ہوا اور پندرھویں صدی عیسوی میں پیرس پہنچا۔اس سے قدیم نسخہ ابو بصر کا قرار دیتے ہیں جو سریانی سے ترجمہ ہوا۔عربی ترجمے کا مستند ایڈیشن مارگولیتھ کا ہے۔اس کے علاوہ ایک اور اہم نسخہ رکارڈینس ہے جو انیسویں صدی مین سامنے آیا۔

مقدمے کے تیسرے حصے میں 'بوطیقا' کے مختلف نسخوں کے مسائل سے تفہیم میں الجھاؤ کو موضوع بنایا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے مباحث کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔بوطیقا کا اسلوب الجھا ہوا،عبارت بے ربط اور نامکمل محسوس ہوتی ہے اور اس کا سبب یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ توشا گردوں یا ارسطو کے نوٹس تھے جنھیں بعد میں ترتیب دیا گیا۔باقی کچھ مترجمین نے کچھ عبارتیں حاشیوں میں لے گئے۔چوں کہ یونانی زبان کثیر معنویت کی حامل ہے،اس باعث اس کتاب کی تعبیرات میں بھی اضافہ ہوا۔یہ کتاب تین طرح کے مباحث سمیٹے ہوئے ہیں۔اول فلسفہ شعر دوم المیہ اور رزمیہ شاعری کی مبادیات سوم رزمیہ اور المیہ شاعروں کے لیے ہدایت نامہ۔ہدایت نامے کا تعلق معاصر سٹیج اور سماجی حالات سے تھا اس لیے وہ اب معنی خیز نہیں رہا۔

مقدمے کے چوتھے حصے میں افلاطون کے تصورات،افلاطون اور ارسطو کے تصورات کا تقابل اور بوطیقا کے مباحث کو پیش کیا گیا ہے۔افلاطون کا اشیاء کا تصور پیش کرتے ہیں۔اشیاء کی تین حیثتیں ہیں۔اصلی تصورات یعنی اعیان،محسوسات کی دنیا کی اشیاء یعنی ظلال اور ظلال کی پرچھائیاں۔اس کے لیے ان کی کتاب 'ریاست' میں سے چارپائی کی مثال بھی پیش کی ہے۔فن کار،معلم اخلاق اور کاریگر نقال ہونے کی وجہ سے برابر ہیں۔افلاطون کی کتاب "قوانین "سے حوالہ دیتے ہیں کہ ہم سب بہترین حالات اور کردار کی نقل کرتے ہیں،اس لیے سب شاعر ہیں۔افلاطون کے شاعری پر اعتراضات بھی تحریر کیے ہیں۔شاعری؛عقل کی بجائے جذبات کو متحرک کرتی ہے،جنوں کی کیفیت کا اظہاریہ ہے،عام حالات میں مفہوم بیان کرنے سے قاصر ہیں،المیہ اساطیر پر مبنی ہوتا ہے اور اساطیر میں باطل کو فتح حاصل ہو جاتی ہے اور المیہ پست ہمتی کی طرف مائل کرتی ہے۔یونانی لفظ میمیز کی تعبیر سے بھی بحث کی گئی ہے۔فاروقی کے نزدیک اس کا ترجمہ 'نقل' اس کے مکمل معنی ادا کرنے سے قاصر ہے۔اس کے لیے 'نمائندگی' درست ترجمانی کرتا ہے۔ارسطو کے اس تصور کی وضاحت کرتے ہیں کہ خیالات سے زیادہ اعمال کی نمائندگی،کرداروں اور واقعات کی نمائندگی،حقیقت کی زمانی نمائندگی ہے۔فاروقی ڈرامے اور ناول،افسانے میں کردار کی نمائندگی کا فرق بھی واضح کرتے

ہیں کہ ناول،افسانے میں مصنف کو کردار کے بارے بتانا پڑتا ہے جب کہ ڈرامے واقعات کردار کے بارے خود سب کچھ بیان کرتے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ واقعات میں علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ واقعات ہی ایسے ہوں جو قرین قیاس ہوں اور بعید از قیاس واقعات کو ڈرامے میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔لیکن فاروقی ان خیالات کو ہمارے ہاں واقعیت کے تصور کا آغاز نہیں سمجھتے۔اس کے لیے وہ دلائل بھی پیش کرتے ہیں کہ ارسطو شاعری کو تاریخ سے بلند تر سمجھتا ہے۔تاریخ صرف ہو چکے واقعات کی روداد ہے جب کہ شاعری ہونے والے واقعات کا اشاریہ ہو سکتی ہے۔وہ شاعری کو آفاقی کہتا ہے کہ مخصوص شخص مخصوص حالات میں کس طرح گفتگو کرے گا،یہ بات بھی فاروقی کے نزدیک رائج واقعیت کے تصور سے الگ نوعیت رکھتی ہے بلکہ ارسطو کے خیالات کی روشنی میں واقعیت کی بھی تعریف کچھ یوں(٦) متعین کرتے ہیں:

> "واقعیت کی بحث کو ارسطو نے استعارہ اور بیان کی گفتگو میں اور بھی صاف کر دیا ہے جب وہ یہ کہتا ہے (باب ۲۵)مصور یا کسی بھی اور فنکار کی طرح چونکہ شاعر بھی نمائندگی کے فن کو اختیار کرتا ہے،اس لیے ضروری ہے کہ وہ تین میں سے ایک شے کی نمائندگی کرے۔اول اشیاء جیسی کہ وہ ہیں یا تھیں دوم اشیاء جیسی کہ انھیں بیان کیا یا سمجھا جاتا ہے سوم اشیاء کہ جیسے انھیں ہونا چاہیے یہ تین تعریفیں اس بات کو واضح کر دیتی ہیں کہ واقعیت کا اصول صرف یہ نہیں ہے کہ اشیاء کو کہ اشیاء کو من و عن بیان کر دیا جائے۔یہ بھی واقعیت ہے کہ اشیاء کے بیان میں داخلی،موضوعی،عینی یا ذاتی تاثرات شامل کر دیے جائیں۔"

ارسطو شاعری کو دوسرے فنون سے افضل قرار دیتا ہے۔موسیقی شاعری کی معاون ہے۔مصوری اس لیے کم تر ہے کہ واقعہ زماں میں پنپتا ہے اور مصوری مکاں کی پابند ہوتی ہے۔رقص میں الفاظ کی عدم موجودگی واقعات کے علت و معلول کے رشتے کے بیان سے باہر ہوتی ہے۔فاروقی قدیم یونانی مفکر سائیمنڈیز کا قول بھی سامنے لاتے ہیں کہ مصوری میں الفاظ نہیں ہوتے اور شاعری میں رنگ۔ارسطو کردار کی بجائے پلاٹ کو اہم سمجھتے ہیں۔المیہ کے لیے کردار کی نسبت پلاٹ زیادہ ضروری ہے۔کردار نگاری کا تعلق بھی واقعات سے جڑا ہوتا ہے۔فاروقی کے نزدیک ارسطو نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ شاعرانہ سچائی اور سماجی سچائی میں فرق ہے۔شاعرانہ خوب صورتی کے لیے دو چیزیں ایسی ہیں جو سماجی کارگزاری سے مختلف ہیں۔ نقل کی ہوئی چیزوں سے لطف اندوز ہونا اور موسیقی کا میلان۔مصوری میں لطف اندوزی کا سبب رنگ اور روشنی ہیں اور شاعری میں لسانی تشکیلات اور لونجائنس بھی ارسطو کے اسی تصور سے متاثر تھا۔

فاروقی نے افلاطون کے شاعری پر اعتراضات کو ارسطو کے تصورات کی رو نی میں رد کیا ہے۔پہلا اعتراض شاعری جنوں اور دیوانگی کا نتیجہ ہے۔ارسطو کے نزدیک ایک ہم احساسی قوت ہی ہوتی ہے جو الہامی احساس یا الہامی جنوں

کے ذریعے تخلیق کو تیقن تک لے جاتا ہے۔فاروقی نے مغربی اور اردو ادب سے ایسے شعرا کی مثالیں بھی پیش کی ہیں جو جنوں اور دیوانگی کے احساس میں مبتلا ہوئے اور اعلی تخلیقات پیش کیں۔روسو،شوپنہار،جان سٹورٹ مل،غالب،،میر،اقبال،محمد حسین آزاد،مرزا رسوا وغیرہ ایسی مثالیں ہیں جو غیر نارمل کہلا سکتے ہیں۔فاروقی کے نزدیک جدید نفسیات کے مطابق بھی تخلیقی عمل غیر نارمل کارگزاری ہے۔اس کے علاوہ بعض ادیبوں یہ کیفیت طاری بھی کی تاکہ تخلیق پر زور ہو سکے۔یوری پیڈیز،ڈکنس اور میر انیس کی مثالیں پیش کی ہیں۔ارسطو نے ہم احساسی کے نظریے کو نفسیاتی بنیاد فراہم کی ہے کہ ایک نابغہ غیر نارمل،شدید جذبے کو اپنے اوپر طاری کر لے تو دیوانگی کا عالم طاری ہو سکتا ہے۔فاروقی نے قدیم یونان میں شاعروں کے الہامی ہونے کے تصور کی موجودگی کی بات کی ہے۔اسی طرح قدیم عرب میں بھی شاعر کی فوق العادت صلاحیتوں کو تسلیم کیا جاتا تھا۔فاروقی نے افلاطون کے دوسرے اعتراض،المیہ،اساطیر کے ذریعے،حق کی شکست پیش کرتا ہے،کو غیر ادبی اعتراض قرار دیا ہے۔اگرچہ ارسطو نے بوطیقا کے ہدایت نامہ والے حصے میں یہ وضاحت کی ہے کہ کسی خوش حال کو بدحال نہ دکھایا جائے کیوں کہ یہ منظر تکلیف دہ بن جاتا ہے۔اس سلسلے میں وہ شاعر کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق اساطیر میں چابک دستی سے تبدیلی کرے تاکہ المیاتی لطف قائم رہ سکے۔یونان کے تینوں المیہ نگاروں کے ہاں بھی یہی طریقہ استعمال ہوا ہے،ایسکلیز،سوفوکلیز اور یوری پیڈیز نے دیوتاؤں کم یا زیادہ ہمدردی کے ساتھ ہی پیش کیا ہے اور مذہبی عقائد کے تقدس کو بھی برقرار رکھا ہے۔افلاطون کا یہ خیال کہ شاعروں نے عقائد کو مجروح کیا ہے،درست خیال نہیں ہے،فاروقی نے یوری پیڈیز نے مختلف ڈراموں کے موضوعات اور واقعات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں ڈرامائی تفریح کے باوجود کوئی بات خلاف ادب نہیں کی گئی۔افلاطون جب اخلاقی ضرورتوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے تو ارسطو المیاتی عیب کا تصور پیش کرتا ہے۔جہاں عیب سے مراد کوئی نقص نہیں بلکہ قصور یا خطا کے معنی ہوں گے۔ارسطو اتفاقی قصور یا غلطی کو المیاتی عیب قرار دیتا ہے جو المیاتی ہیرو کو خوش حالی سے بد حالی کی طرف لے جاتا ہے۔وہ غلطی کا سرچشمہ لاعلمی کو سمجھتا ہے جو اخلاقی گراوٹ تک لے جاتی ہے۔یونانی سماج میں غلطی سے مراد غلط فیصلہ ہی مراد لیا جاتا تھا اگرچہ بعد کی تہذیبوں میں غلطی سے مراد غلط خواہشات مراد لی جاتی ہیں۔ارسطو نے المیاتی عیب کا تصور کردار کی بجائے پلاٹ کے تحت پیش کی ہے تاکہ دردمندی اور خوف کے جذبات واقعات کے ذریعے سامنے آئیں۔لیکن دردمندی یونان میں کوئی اہم چیز نہیں ہے۔ایک تو دشمنوں یا دشمنوں کے دوستوں سے نفرت کرنا اور دوسرا ان لوگوں سے ہمدردی کرنا جو زوال آمادہ ہوں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔یہی وجہ ہے کہ ارسطو کو تنقیہ (کیتھارسس)کا تصور بھی پیش کرنا پڑا۔فاروقی نے ارسطو کی اس فکر کے دو پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔اول،دردمندی انسانی صفت ہے ساتھ خوف کا جذبہ انسانی صورت حال سے آگہی ہے،دوم؛جب ایسے جذبات

عروج پر پہنچ جائیں پھر ان کا اخراج یا اتار بھی ضروری ہو جاتا ہے اور پھر یہ اخراج تنقیہ کی صورت ہو گا۔فاروقی نے لائنل ٹرلنگ کے خیالات کی روشنی میں فرائڈ اور ارسطو میں مماثلت تلاش کی ہے۔وہ کیتھارسس کے نظریے میں جسم و ذہن کو عمل اور رد عمل میں مصروف سمجھتے ہیں تو وہیں سے شعور،لاشعور اور تحت الشعور کی بحثوں کے قریب پاتے ہیں۔مزید برآں وہ رچرڈس کے کیتھارسس کے تصور کو بھی ارسطو کے تصور کا ارتقا قرار دیتے ہیں۔وہ(۷) لکھتے ہیں:

"ارسطو کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نظریے کے ذریعہ وہ ایک طرف تو معاصر فکری رجحانات کی تشفی کرتا ہے تو دوسری طرف مستقبل کے لیے غور و فکر کی نئی راہیں بھی کھولتا ہے۔چناچہ اس کی ان اصطلاحات نے المیاتی عمل کے سلسلے میں کئی اور خیالات کے ارتقا میں مدد دی۔"

فاروقی اس حوالے سے مزید اضافہ کرتے ہیں کہ المیہ جہاں دردمندی اور خوف کی تنقیہ کرتا ہے وہیں المیہ سے پیدا ہونے والے دیگر مختلف اور متنوع جذبات کو بھی منظم ڈھنگ سے پیش کرتا ہے۔کیتھارسس میں طبی مفہوم بھی رکھتی ہے۔موسیقی بھی ذریعہ علاج رہی ہے۔یونان میں موسیقی چوں کہ ساز ابھی ترقی یافتہ نہیں ہوئے تھے،اس لیے الفاظ اور گیتوں تک محدود تھی۔ارسطو نے بھی موسیقی کو المیہ کا اہم عنصر قرار دیا ہے۔جہاں کیتھارسس،جسمانی اور نفسیاتی دونوں صورتوں کا حامل ہے۔فاروقی کے نزدیک ارسطو نے علم طب سے اصطلاح مستعار لے کر نفسیاتی علاج، تحلیل نفسی اور اخلاقیات تینوں کو جمع کر کے افلاطون کے اعتراضات کا عمدہ جواب دیا ہے۔فاروقی کیتھارسس کے تصور کو اخلاق کا لازمہ نہیں سمجھتے ان کے نزدیک فن کو اخلاقیات سے جوڑنے یا نیک انسان کا تصور ازمنہ وسطی کے یورپ میں شروع ہوا۔وہ سمجھتے ہیں کہ ارسطو خوب و ناخوب کے تصور سے بے خبر ہے۔اس کے بعد وہ یونان میں اس تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔مثال کے طور پہ افلاطون نظم وضبط کو سب سے بڑی خوبی اور سقراط لاعلمی کو سب سے بڑی برائی سمجھتا ہے۔افلاطون کے نزدیک نظم وضبط کا مطلب بھی رہنما کی ہر بات من و عن ماننا ہے۔ارسطو المیہ کو ہی خوب اور عمدہ بتاتا ہے اور المیے میں ہیئت کی خوبیاں تناسب یا نظم سے پیدا ہوتی ہیں۔زبان،ڈرامائی وحدت،پلاٹ میں تعمیری ربط،یہ سارے نظریات نظم اور تناسب میں ہی ڈھلے ہوئے ہیں۔فطرت یا خارجی دنیا میں کوئی چیز اپنے مکمل ارتقا کو یا مکمل منظم نہیں ہو پاتی جب کہ فن پارہ اپنی ہیئتی وحدت کے باعث اعلیٰ تر چیز ہے۔فطرت جسے نامکمل چھوڑ دیتی ہے فن پارہ اسے مکمل کر دیتا ہے۔فاروقی کے نزدیک اسی لیے شاعرانہ سچائی،تاریخی یا فلسفیانہ سچائی سے بلند تر درجے کی حامل ہوتی ہے۔ایک نکتہ نظر جس کا اظہار تکرار کے ساتھ پورے مقدمے پہ حاوی رہا اس کا بیان(۸) مقدمے کے آخری پیراگراف میں پھر صراحت سے آیا ہے۔

"ایسا نہیں ہے کہ ارسطو نے تمام باتیں صحیح کہی ہیں۔اس کے بہت سے خیالات پر نظر ثانی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔اس کے بعض نظریات صرف قدیم یونان کے حوالے سے صحیح ہیں۔آج ان کو

مکمل طور پر قبول کرنا خطرناک ہو گا۔ لیکن معرکے کی بات یہ ہے کہ ارسطو نے شعر اور فلسفہ فن دونوں کے متعلق تقریباسب بنیادی سوالات اٹھادیے ہیں۔ فلسفے کے میدان میں سوال اٹھانے والے کی اہمیت جواب دینے والوں سے اکثر زیادہ ہی ہوتی ہے۔"

شمس الرحمن فاروقی نے جن مغربی ناقدین کے مباحث کے لیے ان کی جن کتب سے استفادہ کیا ہے۔اس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

ا۔افلاطون-ریاست ۲۔ارسطو-اخلاقیات ۳۔ایم ایچ ابرامس۔The Mirror and the Lamps ۴۔ جیمس کول مین Abnormal Psychology and Modern Life۵۔لائنل ٹرلنگ-The Liberal Imagination

۶۔بروکس،ومزٹ-Literary Criticism ۷۔آئی اے رچرڈس-Principals of Literary Criticism

۸۔-کارل پاپر-The Open Society & its Enemies

شمس الرحمٰن فاروقی کا مقدمہ، مذکورہ مقدمات میں سے سب سے زیادہ تفصیلی اور تجزیاتی ہے۔وہ ارسطو کے تصور خوب و ناخوب کو غیر ضروری اور ادب میں افادیت کے تصور کی ارسطو سے منسوبیت کی مخالفت کرتے ہیں۔انھوں نے مغربی تنقید کی روایت کی روشنی میں مماثلتوں اور افتراکات کو تقابلی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے۔ارسطو کے نظریات کا افلاطون کے اعتراضات، یونانی ادب اور عصری سماج کے پس منظر میں مطالعہ کیا ہے۔اس کے علاوہ طب کی اصطلاحات کا بھی استعمال کیا ہے۔جو اصطلاحات وضع کی ہیں،ان کا موازنہ اور جواز ،پہلے سے رائج اصطلاحات کی روزنی میں نمایاں کیا ہے۔البتہ کہیں کہیں خیالات کی تکرار کا عنصر غالب آگیا ہے۔

'بوطیقا' کے اردو مقدمات کے درج بالا تجزیے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عالمی ادب پر ارسطو کے تصورات کے اثرات دیرپا اور جامعیت کے حامل رہے ہیں۔ان سے نئے مباحث اور تصورات نے جنم لیا ہے۔اردو تراجم کے مقدمات میں عزیز احمد اور شمس الرحمن فاروقی نے تفصیل کے ساتھ بوطیقا کی خصوصیات اور اس کے دیگر زبانوں کے تنقیدی ادب سے تقابل کو نمایاں کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں رائج خیالات بھی سامنے آئے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

ا۔احمد، عزیز مقدمہ،(۱۹۴۱ء)،فن شاعری از ارسطو،انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ص۲۸

۲۔ایضا، ص۳۲

۳۔روشن رومانی، بوطیقا اور عزیز احمد،(۲۰۱۱ء)، مشمولہ عزیز احمد۔فکر و فن اور شخصیت مرتب: جلد دوم ،اعظم راہی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ص۳۲۶

۴۔ محمد یسین،(۱۹۷۵ء)،کلاسیکی مغربی تنقید،انجمن ترقی اردو ہند،دہلی،ص ۴۴
۵۔ جمیل جالبی، مقدمہ،(۱۹۷۷ء)،ارسطو سے ایلیٹ تک،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص ۱۳
۶۔ فاروقی، شمس الرحمن(۱۹۷۸ء)،مقدمہ،شعریات از ارسطو ،ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی،ص ۱۷۔۱۸
۷۔ ایضا،ص ۲۹
۸۔ ایضا،ص ۳۵